رسائل و مسائل

سیلِ عرم کا زمانہ

سوال:- ۱- تفہیم القرآن میں آپ نے سیلِ عرم کا جو زمانہ ۴۵۰ء متعین فرمایا ہے اس کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں (یعنی ان کا ماخذ کیا ہے)۔

۲- "ارض القرآن" کی اشاعت سے پہلے بھی ۴۵۰ء والی روایت بعض کتابوں میں ملتی ہے اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ارض القرآن کی اشاعت کے بعد یہ بات ثابت ہوئی کہ سیلِ عرم ۴۵۰ء میں آیا۔ نکلسن کی تاریخ ادب العرب میں بھی سیلِ عرم کا زمانہ ۴۴۷ء یا ۴۵۰ء لکھا ہے لیکن یہ روایت بوجوہ محلِ نظر ہے۔

۳- قرآن حکیم کی مختلف تفاسیر (بشمول تفہیم القرآن) کا بغور مطالعہ کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کہ جس سیلِ عرم کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس کا تعلق سبا کے طبقہ ثانیہ سے ہے نہ کہ سبائے حمیر سے جن کو قومِ تُبّع کہا گیا ہے۔ اسی طرح "تَفَرُّقِ سبا" کا واقعہ بھی ولادتِ مسیح سے پہلے ہوا نہ کہ بعد میں۔

۴- سیلِ عرم کے نتیجہ میں سدِ مارب ٹوٹ گیا اور سبا کے باغ اُجڑ گئے۔ اس کے معاً بعد (تجارتی راستوں پر دوسری اقوام کے غلبے کی وجہ سے) ان کے قبائل کا شیرازہ بکھر گیا۔

۵- اگر سیلِ عرم کا زمانہ ۴۵۰ء تسلیم کیا جائے تو "تَفَرُّقِ سبا" بھی اس کے بعد ہونا چاہیے۔ لیکن عرب (اور بالخصوص مدینۂ منورہ) کی مختلف تواریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سبا کے مختلف قبائل ۴۵۰ء سے کہیں پہلے سارے عرب میں منتشر ہو گئے تھے۔ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ان کا قبیلہ ازد یا اسد جو یثرب میں آکر آباد ہو گیا تھا اس پر یہودی سردار فیطون (یا فطیون) نے بے پناہ مظالم ڈھائے۔ غسانی سردار ابوجبیلہ نے ان مظالم کا انتقام لیا۔ اس واقعہ کے بعد مشہور تبع ابوکرب اسعد

یا حسان بن کلیکرب کا ورود یثرب میں ہوا۔ (ابو کرب اسعد کا زمانہ حکومت ۴۰۰ء تا ۴۲۵ء ہے۔ اور حسان کا ۴۲۵ء تا ۴۵۵ء) عرب مؤرخین نے تبابعہ کے حالات غلط یا صحیح تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں لیکن کسی نے یہ نہیں لکھا کہ سیل عرم تبابعہ کے عہد میں آیا۔ اگر سیل عرم کا زمانہ ۴۵۰ء مانا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قبائل سبا کا شیرازہ ۴۵۰ء کے بعد منتشر ہوا۔ حالانکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سبا کے تجارتی راستوں پر بہت پہلے دوسروں کا غلبہ ہوگیا تھا اور یہی بات ان کے انتشار کا باعث ہوئی تھی۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ ان منتشر قبائل میں سے بعض نے پھر عروج حاصل کر لیا۔ یہ بھی درست ہے کہ سیلِ عرم کا "تَفَرُّقِ قبائل" سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔ لیکن سورۂ سبا میں جس سیل عرم کا ذکر ہے اس کے سیاق و سباق سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق سبا کے طبقۂ ثانیہ سے ہے جس کا دورِ عروج ۱۱۵ ق م میں ختم ہو گیا۔ سدِّ مارب بلاشبہ اس کے بعد بھی کام دیتا رہا (اس کی مرمت کس نے کرائی؟ تاریخ اس کے بارے میں خاموش ہے) لیکن وہ باغ جنہیں "جَنَّتَیْن" کہا گیا ہے پھر معرضِ وجود میں نہ آسکے۔ سدِ مارب تو سبائے حمیر کے عہد میں اور ان کے زوال کے بعد بھی کام دیتا رہا۔ ۵۴۳ء میں یہ ایک بار پھر ٹوٹا تو ابرہہ نے اس کی مرمت کروائی۔ آخری بار یہ کب ٹوٹا؟ اس کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔

۶۔ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سبا کے طبقۂ اولیٰ (اور ثانیہ) کا مسکن شہر "مارب" (سبا) تھا اور "سیلِ عرم" کا تعلق اسی بند سے ہے جو مارب کے متصل تعمیر کیا گیا تھا۔ سبائے حمیر کا مسکن مارب نہیں تھا اس لیے قرآن کریم کے بیان کردہ "سیلِ عرم" کا تعلق یقیناً سبائے حمیر کے زمانے سے نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ حمیر نے اپنی حکومت کو مارب تک وسعت دے لی تھی لیکن مارب کو حمیر کا مسکن نہیں کہا جاسکتا اور قرآن کہتا ہے کہ ہم نے سبا کے مسکن میں بند توڑ سیلاب بھیجا۔ (مسکن سے مراد مرکزی شہر یا سبا کی قوت و شوکت کا مرکز ہے)

جواب: یمن کی جو تاریخ اُس علاقے میں دستیاب ہونے والے کتبات کی مدد سے مرتب ہوئی ہے اس میں بہت سی سابق معلومات پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ قدیم ترین کتبہ جو دستیاب ہوا ہے اس کی تاریخ ۶۶۰ ق م کے مطابق پڑتی ہے۔ اُس میں ذکر کیا گیا ہے کہ اُس زمانے میں سدِّ مارب تعمیر ہو رہا تھا۔ پھر ایک کتبہ شُرَحْبِیل بن یَعْفُر نامی بادشاہ کا ملا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ فلاں تاریخ (مطابق ۴۴۹ء) کو سدِّ مارب ٹوٹ گیا، مگر اس کی مرمت کر لی گئی۔

پھر فلاں تاریخ (مطابق ۴۵۰ء یا ۴۵۱ء) کو یہ سدّ بری طرح ٹوٹا جس سے بہت بڑی تباہی آئی اور کثیر آبادی دُور دُور تک منتشر ہوگئی۔ بعد میں بادشاہ نے قبائلِ حِمیَر و حضرموت سے مدد لے کر اس کی مرمت کرائی۔ اِس کتبے کی تاریخ ۴۶۵ عیسوی کے مطابق پڑتی ہے۔

یہ کتبہ پہلا تاریخی وثیقہ ہے جس سے سدِّ مارب کے ٹوٹنے اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلنے، اور کثیر آبادی کے منتشر ہوجانے کا ثبوت ملتا ہے۔

عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ سدِّ مارب کی تباہی کے باعث جو قبائل شمالی اور وسطی عرب میں پھیل گئے وہ آلِ جَفنہ (غسّان)، اَوس اور خزرج، لَخم، تنوخ، طے اور کِندہ وغیرہ تھے۔

حمزہ اصفہانی نے تاریخ سِنی ملوکِ الارض والانبیاء میں بیان کیا ہے کہ غسانیوں کے سردار جَفنہ بن عمرو مُزیقیا کو رومی قیصر نسطورس کے زمانے میں شامی عربوں کا فرمانروا بنایا گیا۔ اس قیصر کا اصل نام (ANASTASIUS) تھا اور اس کا زمانہ حکومت ۴۹۱ء تا ۵۱۸ء تھا۔ یہ بات بھی اِس کی تائید کرتی ہے کہ غسانیوں کا وطن سے نکلنا پانچویں صدی عیسوی کے وسط کا زمانہ ہے۔

اسی طرح یمن سے نکلنے والے ایک اور قبیلے کی حکومت حِیرہ میں ساسانیوں کے ماتحت قائم ہوئی، اور اس کا زمانہ بھی پانچویں صدی ہی کا ہے۔

اس مسئلہ پر عربی زبان میں عراق کے ڈاکٹر جواد علی کی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام نہایت مستند کتابوں میں سے ہے۔

سوال:- تفہیم القرآن (جلد چہارم) کے مطالعہ کے بعد درج ذیل باتیں وضاحت طلب رہ گئی ہیں براہ کرم رہنمائی فرما کر ممنونِ احسان فرمائیے۔ جزاک اللہ۔

۱- سبا آیت ۱۴ ح ۲۴ صفحہ ۱۹۰ حضرت سلیمان کا مُردہ جسم عصا کے سہارے اتنی مدت کھڑا رہا کہ گھُن نے عصا کو کمزور کر دیا اور جنوں کو (اور یقیناً انسانوں کو بھی) ان کے انتقال کا علم نہ ہوا... یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اور قرآن اسے کسی معجزے کے طور پر پیش بھی نہیں کر رہا ہے..... کیا جنوں (اور دیگر عمائدِ سلطنت) میں اتنی عقل بھی نہ تھی کہ حضرت سلیمان جو بولتے چالتے، کھاتے پیتے، مقدمات کے فیصلے سناتے، فریادیں سُنتے، احکام جاری کرتے، عبادت کرتے، حاجات سے فارغ

ہوتے بیٹھے اتنی دیر (بلکہ مدت) سے، ساکت وصامت کیوں کھڑے ہیں؟ کیا زندگی کے ثبوت کے لیے صرف کھڑا رہنا کافی ہے؟ اور پھر آپ کے اہل وعیال؟ کیا انہیں بھی انتقال کا پتہ نہیں چلا (جو ناممکن ہے) یا انہی نے یہ ایک ترکیب نکالی تھی؟

مفسر محترم نے جس بات کو صاف اور صریح فرمایا ہے وہ خود ایک پہیلی ہے۔

۲۔ سورۂ احقاف آیت ۲۹ حاشیہ ۳۵۔ جنّ مکی دور ہی میں ایمان لے آئے تھے لیکن انہوں نے رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے دورِ مصائب میں کسی طرح کی کوئی مدد نہیں کی، نہ اس کے بعد کسی جہاد میں حصہ لیا۔ کیا سارا قرآن (اوامر و نواہی) جس طرح انسانوں کے لیے واجب الاطاعت ہے جنوں کے لیے بھی اسی طرح اس پر عمل لازم نہیں؟ کیا صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور جہاد بالمال و بالنفس جنوں پر بھی فرض نہیں؟ اگر فرض نہیں تو استثنا کی بنیاد کیا ہے؟ اور اگر فرض ہے تو جنوں نے کب اور کیسے ان پر عمل کیا؟

(ب) اس سورہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنّ اتفاقی طور پر ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے طور پر اپنے ساتھیوں کو اسلام کی دعوت دی...... اگر حضورؐ انسانوں کی طرح جنوں کے لیے بھی مبعوث تھے تو آپ نے جنوں کو خود دعوت کیوں نہ دی؟ ان کی دینی تربیت کے لیے کیا اہتمام اور کیا انتظام فرمایا؟ اور ان کے لیے شرعی احکام کی نوعیت کیا ہے؟ قرآن مجید کی معاشرتی تعلیمات جنوں کے لیے بھی اسی طرح سے واجب ہیں جیسے انسانوں کے لیے یا ان کے احکام مختلف ہیں؟

۳۔ ص ج ۳۶ صفحہ ۳۳۷ قوی سند کے باوجود حدیث مشتبہ ہو سکتی ہے (اور ہے) تو حدیث کی صحت کا معیار کیا رہا؟ صرف عقلِ سلیم؟ اگرچہ چند واقعات ہی سہی۔

۴۔ شوریٰ آیت ۲۳ ج ۴۱ صفحہ ۵۰۱ مفسر محترم نے اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔ "قربیٰ" کے سلسلے میں واضح فیصلہ ضروری تھا۔ ایک طبقہ کی تفریق کی اصل بنیاد یہی ہے۔

۵۔ صفحہ ۲۸۹ (طبع اوّل) آیت ۶۵ صافات ج ۳۶..... تشبیہ دینے والے (خدا) کے لیے تو تشبیہ کے دونوں ارکان (مُشَبَّہ و مُشَبَّہٌ بِہٖ) مشہود ہیں۔ رہے انسان، تو انہوں نے شیطان کے سر نہیں دیکھے تو زقّوم کے شگوفے تو دیکھ رکھے ہیں مُشَبَّہٌ بِہٖ کی مناسبت سے مُشَبَّہ کے متعلق کچھ نہ کچھ تصور قائم کیا جا سکتا ہے... لہٰذا اسے "تخییلی تشبیہ" قرار دینا موزوں نظر نہیں آتا.... اس سلسلے میں جو مثالیں مفسر

محترم نے پیش کی ہیں وہ اس لیے غیر متعلق ہیں کہ ان کے بیان کرنے والے انسان ہیں جنھوں نے واقعی ان چیزوں کو نہیں دیکھ رکھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو شیطان اور اس کا سر دیکھ رکھا ہے۔

۶۔ درست مثال کیا ہے؟ اندھیر نگری چوپٹ راج کہ چوپٹ راجہ؟ (صفحہ ۱۶۴)

۷۔ "سخت برافروختہ ہوا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا (ص ۱۶۳) برافروختہ یعنی بھڑک اُٹھنا، غصے میں آنا ہے یا شرمندہ یا خوف زدہ ہونا؟

جواب:- قرآن مجید میں جو بات جس طرح لکھی گئی ہے میں نے اسی طرح اس کو بیان کر دیا ہے۔ اس پر جو سوالات آپ نے اُٹھائے ہیں ان کا جواب قرآن مجید میں موجود نہیں ہے اور میں اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر قرآن مجید میں داخل نہیں کر سکتا۔

جنوں کے ایمان لانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسانوں کے درمیان کفر و ایمان کی کشمکش میں وہ شریک ہوں۔ خود ان کے اندر بھی کافر اور مومن جنوں کے درمیان کشمکش ہے اور اس میں انسان حصّہ نہیں لیتے۔

جن اتفاقی طور پر ہی ایمان نہیں لائے تھے۔ انسانوں میں جو انبیاء آئے ہیں ان پر ایمان لانے کے جن بھی مُکلّف ہیں۔ البتہ یہ تفصیل ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے لیے شرعی احکام کیا تھے اور ان کی تربیت کا کیا انتظام تھا۔

قوی سند کے باوجود حدیث کے متن میں کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جو اس کی صحت کے بارے میں شبہہ پیدا کرنے والی ہو۔

سورۂ شوریٰ آیت ۲۳ کی تشریح میں نے اپنی حد تک تو پوری وضاحت سے کر دی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے آپ کو اطمینان نہ ہوا ہو۔

اگر آپ اس بات پر مطمئن ہیں کہ شیطان کے سر زَقُّوم جیسے ہی ہیں اور انہی سے زَقُّوم کو تشبیہ دی گئی ہے تو آپ یہ تفسیر کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اُردو میں محاورہ کے طور پر اندھیر نگری چوپٹ راجہ ہی بولا جاتا ہے۔

رَبَا الرَّجُلَ رَبْوَۃً کا مطلب سانس پھولنا بھی ہے، اور خجالت میں مبتلا ہونا بھی۔ لیکن میں نے حضرت ابن عباس کے اس فقرے کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ کیا ہے کہ بندۂ خدا اگر تجھے تصویر ہی بنانی ہے تو درختوں کی بنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو تصویر کی حرمت کا حکم ناگوار ہوا تھا ورنہ وہ مصوری پر اصرار کرنا چاہتا تھا۔